میڈیا کا کردار ـــــ اسلامی نقطۂ نظر

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

عصرِ حاضر میں جہاں انسان نے اپنی قابلیت واستعداد کے جوہر متعدد شعبہ ہاے زندگی میں دکھلائے ہیں، ان میں ذرائع وسائل یا ذرائع ابلاغ ایک اہم موضوع ہے جو اکیسویں صدی کے ترقی یافتہ انسان کا موضوع بحث ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ وہ اہم شعبہ ہے جس میں انسان اپنی جودتِ طبع اور کمال واستعداد کا ناطق ثبوت پیش کر رہا ہے۔ ذرائع وسائل کا استعمال خواہ قومی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر، تعمیر وتخریب دونوں مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ سعادت مند ہے وہ فرد یا قوم جو وسائل کا استعمال ذاتی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کرتی ہے، جب کہ ان وسائل کا منفی مقاصد کے لیے استعمال ملک وقوم کے مفاد کے منافی ہے۔

اصطلاح میں اس لفظ کی تعبیر ذرائع ابلاغ وترسیل یا وسائل نشر واشاعت سے ہوتی ہے۔ اس وقت بالعموم دو قسم کے ذرائع ابلاغ معروف ہیں۔ ایک کو طباعتی ذرائع ابلاغ (Print Media) سے جانا جاتا ہے، جب کہ دوسرے کو برقیاتی ذرائع ابلاغ (Electronic Media) کہا جاتا ہے۔ دوسرے ذرائع ابلاغ کو قومی سطح سے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے قومی ذرائع ابلاغ (National Media) کا نام دیا جاتا ہے۔ تیسری قسم مخصوص خطۂ ارض یا جغرافیائی حدود سے پرے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کی ہے جسے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ (International Media) کہا جاتا ہے اور انھیں اہم مسائل کی نشر واشاعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ذرائع ابلاغ کی یہ تینوں قسمیں جو علاقائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر استعمال کی جاتی ہیں بلاشک وتردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے ان کا استعمال ہوتا ہے۔ میڈیا پر

جس طبقے کا غلبہ ہوتا ہے یا جو برسرِ اقتدار حکومت ہوتی ہے، وہ بہرحال تعصب و جانب داری کی دلدل سے نہیں نکل پاتی اور پھر اس کے مثبت اثرات ونتائج مجروح ہونے سے بچ نہیں پاتے۔ میڈیا کی اہمیت اور میڈیا پر تسلط و غلبہ پانے والی تنظیموں، جماعتوں اور حکومت کے منفی کردار سے متعلق مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا یہ اقتباس قابلِ ملاحظہ ہے:

> دنیا کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی تنظیمات، سب کا حال یہی ہے۔ یورپ، امریکا اور روس کی حکومتوں کو دیکھیے، اسی کے ساتھ مشرقی حکومتوں کو بھی دیکھیے کہ وہ فاسق الخیال، فاسدالمقاصد، جن کے مقاصد تخریبی، جن کی زندگی فاسد، جن کے اخلاق خراب، جن کے افکار وخیالات فاسد، ان سبھوں نے ایک اجتماعی نظام بنایا ہے اور وہ اجتماعی نظام قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کر رہا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ اس گروہ کا جادو چل رہا ہے جس کے ہاتھ میں ابلاغ کے ذرائع ہیں۔(مقدمہ: مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، نذرالحفیظ ندوی)

● **میڈیا کا منفی کردار**: انسانوں کے درمیان انتشار پیدا کرنا، عوام وخواص کو بغاوت اور نافرمانی پر اُبھارنا، عوام وخواص میں راہنمایانِ قوم کے متعلق شکوک وشبہات کو فروغ دینا، مستحکم قیادت سے محروم کرنے کی کوشش کرنا، فرقہ واریت کے جذبات کو شہہ دینا، واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے عوام کو گمراہ کرنا اور ان کو خلافِ شان حرکتوں پر مجبور کرنا، دوسروں کے محاسن کو بالاے طاق رکھنا اور ان پر دبیز پردے ڈالنے کی کوشش کرنا، نااہل اور نالائق افراد اور جماعتوں کی تعریف میں آسمان وزمین کے قلابے ملا دینا، معمولی خامیوں اور کمزوریوں کو نمایاں کر کے پیش کرنا، اصل اور مطلوب اُمور و مسائل کے بجاے جزئیات اور غیرضروری اُمور پر توجہ مرکوز کرانا ــــ یہ سب میڈیا کے منفی کردار کے ثبوت ومظاہر ہیں جو آئے دن عینی مشاہدات میں آتے رہتے ہیں۔ حقائق کا نظروں سے اوجھل ہوجانا، اخلاقی قدروں کی پامالی، فتنہ وفساد کا دور دورہ اور انسانیت دشمنی کے کریہہ اور المناک حوادث و واقعات کی ذمہ داری بھی تعصب و جانب داری پر مبنی میڈیا کے سر آتی ہے۔

طباعتی میڈیا میں چاہے کتابیں ہوں یا جرائد ورسائل یا اشتہارات، اور برقیاتی میڈیا میں

خواہ کمپیوٹر ہو، ٹیلی ویژن ہو، ریڈیو ہو، یا ان دونوں کے علاوہ معاشرے میں ایسے بدکردار اور فساق وفجار لوگوں کی موجودگی ہو جو بُرائیوں کے لیے نرم گوشہ ہی نہیں رکھتے ہوں بلکہ زبانِ حال اور زبانِ قال سے شرانگیزیوں اور بدکاریوں کی سرپرستی کرتے ہوں، میڈیا کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس میں فحاشی وعریانیت کے انفرادی اور اجتماعی کاروبار کا طریقہ اختیار کرنے والے بھی آتے ہیں اور وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جن کی فطرتِ ثانیہ ہی فتنہ پروری اور بدکاری بن چکی ہو اور وہ عملی طور پر بُرائی کو ایک دوسرے تک اور پھر پورے معاشرے تک عام کرتے ہیں۔

●**میڈیا کا منفی کردار اور معاشرتی انتشار:** ذرائع ابلاغ کے یہ تمام طریقے انتہائی مذموم ہیں۔ ایک طرف فحاشی وعریانیت، انسانی قدروں کی پامالی اور اخلاق سوز حرکتیں، انسانی معاشرے میں ان مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے جاری وساری ہوجاتی ہیں اور دوسری طرف امن وچین سے معاشرہ محروم ہوجاتا ہے۔ عزت وآبرو داؤ پر لگ جاتے ہیں اور ان کی سرگرمیِ عمل کے نتیجے میں بہت سے افراد اور جماعتیں بھی ان بُرائیوں کی نقیب بن کر میدانِ عمل میں آجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت کا عطا کردہ ضابطۂ زندگی قرآنِ مجید ایسے عمل کو انتہائی سنگین جرم قرار دیتا ہے اور رسولِ عربیؐ پر نازل شدہ یہ کتاب جو سراپا ہدایت ورحمت ہے دنیا کی عدالتوں کو بھی مکلف بناتی ہے کہ انھیں ان کے جرائم کے مطابق کیفرکردار تک پہنچایا جائے اور عبرت ناک سزائیں دی جائیں، تاکہ یہ آیندہ ایسے اقدامات کی جرأت سے اجتناب کریں اور معاشرے میں موجود بعض اس قسم کے عناصر کے لیے بھی یہ عبرت کا باعث ہوں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ایسے مجرموں، بدکرداروں اور اخلاق وانسانیت کے دشمنوں کے لیے اس زندگی کے بعد کی زندگی میں ابدی عذاب کی یقین دہانی بھی کراتا ہے۔ قرآنِ مجید میڈیا کے اس منفی کردار کو شنیع جرم قرار دیتا ہے۔ جرم کی شدت وسنگینی کا اندازہ قرآنِ مجید کی اس جامع تعلیم سے کماحقہ ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النور ۲۴:۱۹) یقینا جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

اگرچہ یہ آیت کریمہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی شخصیت پر بہتان تراشی کرنے اور افواہوں کا بازار گرم کرنے والے منافقین اور کمزور ایمان والے حضرات سے متعلق ہے، لیکن قرآنِ مجید کی عظمت کا راز اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ اس کی تعلیمات مخصوص دور سے تعلق نہیں رکھتیں اور نہ افراد اور جماعتوں کے کردار محض ہدفِ تنقید بنانے اور مخاطبین کے لیے تفریح طبع کا سامان فراہم کرنے کے لیے بیان کیے جاتے ہیں، بلکہ ہر ہر آیت پوری آب و تاب کے ساتھ آج کے افراد و معاشرے کے لیے بھی روح پرور پیغام ثابت ہوتی ہے۔ افراد و اشخاص یا اقوام و ملل کی بابت حقائق کے بیان میں قیمتی اسباق مطمح نظر ہوتے ہیں، اور اس کا یہی فیض بے کم و کاست تا قیامت برقرار رہے گا۔ اس آیت کریمہ کے ضمن میں مولانا مودودیؒ کی وضاحت جامع اور فکر انگیز ہے:

> موقع و محل کے لحاظ سے تو آیت کا براہِ راست مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے الزامات گھڑ کر اور انھیں اشاعت دے کر مسلم معاشرے میں بداخلاقی پھیلانے اور اُمت مسلمہ کے اخلاق پر دھبہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں، لیکن آیت کے الفاظ فحش پھیلانے کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ ان کا اطلاق عملاً بدکاری کے اڈے قائم کرنے پر بھی ہوتا ہے اور بداخلاقی کی ترغیب دینے والے اور اس کے لیے جذبات کو اُکسانے والے قصوں، اشعار، گانوں، تصویروں اور کھیل تماشوں پر بھی۔ نیز وہ کلب اور ہوٹل اور دوسرے ادارے بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں جن میں مخلوط رقص اور مخلوط تفریحات کا انتظام کیا جاتا ہے۔ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ یہ سب لوگ مجرم ہیں۔ صرف آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی ان کو سزا ملنی چاہیے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اشاعتِ فحش کے ان تمام ذرائع و وسائل کا سدّ باب کرے۔ اس کے قانونِ تعزیرات میں ان تمام افعال کو مستلزمِ سزا، قابلِ دست اندازی پولیس ہونا چاہیے جن کو قرآن یہاں پبلک کے خلاف جرائم قرار دے رہا ہے اور فیصلہ کر رہا ہے کہ ان کا ارتکاب کرنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۳۷۰-۳۷۱)

ظاہر ہے کہ یہ اسلامی قانون ہے اور اسلامی قانون کا نفاذ معیارِ مطلوب کی حد تک اسی

وقت ہوسکتا ہے جب اسلامی حکومت قائم ہو۔لیکن آج دنیا کا ہر باضمیر، حسّاس اور باشعور شخص اپنی عزت و آبرو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو آخر دوسروں کے حق میں اس فکر کو جلا کیوں کر نہیں ملتی۔ یقینا آج ہتک عزت کا قانون جمہوری حکومتوں میں رائج ہے اور اس کے مطابق کم وبیش فیصلے بھی ہوتے ہیں اور بسا اوقات عدلیہ کی طرف سے راحتیں بھی ملتی ہیں۔لیکن ذرائع ابلاغ جو بسا اوقات حقائق و معارف کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، انسانوں کی عزت کو داؤ پر لگا دیتے ہیں، فتنہ وفساد کو فروغ دیتے ہیں، یہاں تک کہ قتل وخون ریزی تک نوبت آجاتی ہے اور ملک وقوم کی امن و آشتی مخدوش و پُرخطر بن جاتی ہے، آخر ان کے اس حد تک بے لگام ہونے کے کیا معنی ہیں؟ کیوں نہیں ان کے لیے حدود متعین کی جاتیں اور ایک حد تک انھیں پابند کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر ایسا ہو تو ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے والے افراد و اشخاص بہت حد تک محتاط و ہوشیار رہیں گے۔ انھیں افراد اور جماعتوں کی عزت و آبرو کا بھی خیال ہوگا اور ملک وقوم کی سلامتی کے لیے بھی فکرمند ہوں گے۔کم از کم اس قسم کی کارروائی کے ذریعے افواہوں کو ہوا دے کر معاشرے کا ماحول مکدر کرنے سے یقینی طور پر ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران گریزاں ہوں گے اور بالآخر بڑی حد تک میڈیا میں شفافیت آئے گی۔اس مقصد کے حصول کے لیے ذرائع اطلاعات ونشریات پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔عدلیہ ہی اس سلسلے میں تعزیرات کے نفاذ کے ذریعے مؤثر اور قابلِ ستایش رول ادا کرسکتی ہے، کیوں کہ ذرائع وسائل نشریات بالعموم حکومت وقت کے اشارۂ ابرو پر سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

● **اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب:** آج قومی اور بین الاقوامی میڈیا کا مرکز توجہ اسلام اور مسلمان ہیں۔ بین الاقوامی میڈیا پر اپنا تسلط جمانے والے اصحابِ حل وعقد آج اس مشن میں محو و مستغرق ہیں کہ صحیح اسلام کو دنیا سے نیست و نابود کردیا جائے، اور ایسے اسلام کو باقی رکھا جائے جو دنیا میں بے حس وحرکت اور معذور و مجبور بن کر رہے۔ جن کے نام لیوا زندہ تو رہیں لیکن انسداد شر وفتنہ، قیامِ امن، خدا کے گھر میں خدا کے قانون کے نفاذ اور صرف اور صرف ایک خدا کی خدائی کے علَم بردار بن کر وہ دوسرے مذاہب واقوام کے علی الرغم اپنی سمتِ سفر متعین نہ کریں۔

انسانیت نوازی اور بشر دوستی کی جو تعلیمات قرآن وسنت سے مترشح ہوتی ہیں، دنیا کا کوئی مذہب ان کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تمام مخلوقات ارضی و سماوی میں انسان کو اشرف بنائے

جانے کا اعلان ہو (التین ۹۵: ۴)، یا پوری انسانی برادری کے مکرم اور معزز ہونے کا اعلامیہ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰)، کائنات کی تمام اشیا کا انسان کے لیے پیدا کیے جانے اور اس کے لیے مسخر کرنے کا فرمان ہو (النحل ۱۶: ۱۲، لقمان ۳۱: ۲۰، الجاثیہ ۴۵: ۱۳)، آدمؑ وحواؑ کی تمام اولاد کو یا دنیا کے ہر خطہ، رنگ اور نسل کے انسانوں کو عالم گیر اور آفاقی رشتے میں پرو کر ایک ماں باپ کی اولاد قرار دینے کی تلقین ہو (النساء ۴: ۱، الحجرات ۴۹: ۱۳)، یا پھر ایک انسان کے قتلِ ناحق کو ساری انسانیت کے قتل کے مترادف اور ایک انسان کی زندگی کو سارے انسانوں کی زندگی بچانے کے برابر قرار دینے کی تعلیم و ہدایت ہو (المائدہ ۵: ۳۲)ـــــ ہر لحاظ سے اسلام انسانیت کا عظیم ترین نجات دہندہ ہے اور انسانوں کے مابین اخوت و محبت، رحمت و رافت اور ہمدردی و بشر دوستی کی تعلیمات کا سب سے بڑا علَم بردار ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ تمام بندگانِ خدا کے لیے بھیجے گئے ہدایت نامہ قرآنِ مجید کی بنیادی تعلیمات کو اگر ایک شخص تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھے تو اس کے سامنے اس دعویٰ کی صداقت آشکار ہوجاتی ہے۔ توحید کی تعلیم دراصل ایک خدا کو ماننے اور اسی کا تابع فرمان ہوکر رہنے کی تعلیم ہے۔ یہ تعلیم ایک انسان کو تمام جھوٹے خداؤں سے متنفر کر دیتی ہے اور اس کی گردن سے تمام باطل خداؤں کا قلادہ اُتار کر ایک خدا کی عبودیت کا تاج اس کے سر پر رکھتی ہے۔ خداؤں کے جھرمٹ میں رہتے ہوئے ایک شخص ذہنی اور نفسیاتی لحاظ سے اضطراب و بے چینی کا شکار ہوتا ہے، جب کہ ہزاروں خداؤں کے مقابلے میں ایک خدا کو خوش کرنا اس کے لیے آسان بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح رسالت کا عقیدہ انسان کو خدا کی مرضی کے حصول کے مستند ترین اور عملی طریقے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح آخرت کی تعلیمات دنیا کی اس چند روزہ زندگی میں انسان کو ذمہ دار اور جواب دہ بنا دیتی ہیں۔

یہ بنیادی تعلیمات انسانی عظمت کی نمایندہ اور نقیب ہیں۔ ان درخشاں تعلیمات کے باوجود اگر اسلام کو انسانیت کا دشمن قرار دیا جائے اور اس دین و مذہب کو خونخواری سے منسوب کیا جائے تو اس سے بڑی بد دیانتی اور بے حیائی کیا ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ آج بین الاقوامی سطح پر اسلام کی شبیہہ بگاڑنے کی سعیِ نامشکور کی جارہی ہے۔ اسلام کو انتہاپسندی، خونخواری اور دہشت گردی سے منسوب کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو امن و آشتی کا دشمن اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا

ہے۔ میڈیا کے نزدیک جو جتنا صحیح العقیدہ اور پختہ مسلمان ہے وہ اتنا ہی بڑا دہشت گرد ہے اور جو مصالحت، مفاد پرستی اور ابن الوقتی کا ثبوت دے کر وقتاً فوقتاً اپنے موقف کو بدلتا رہتا ہے وہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور اسے سیکولر ہونے کا تمغا دیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس اسلام سے امن و آشتی کے جھوٹے دعوے داروں اور اقتدار کے متوالوں کو خطرہ ہے وہ دراصل انتہاپسندی اور دہشت گردی ہے، اور جس اسلام سے من مانی کرنے والوں، خودساختہ قوانین کو نافذ کرنے والوں اور اقتدار کے پجاریوں کو خطرہ نہیں ہے اور ان کے ذاتی، گروہی اور ملکی مفادات مجروح نہیں ہوتے، وہ اسلام انھیں محبوب ہے اور ایسے ہی مسلمان دراصل ان کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔

میڈیا کا کردار اور قرآنی تعلیمات

● **تقویٰ اور خدا خوفی:** نیکی و صالحیت کے لیے آمادہ کرنے والی مہتم بالشان چیز تقویٰ یا خوفِ خدا ہے۔ یہ خوفِ خدا زبردست ضابطے و حکمراں (controller) کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاشرے کی کوئی روایت، حکومت کا کوئی ضابطہ اور پولیس کا کوئی ڈنڈا آبادی میں، روشنی میں، چوراہوں اور شاہراہوں پر تو کام آتا ہے، لیکن آبادی سے دُور کسی صحرا اور کسی ویرانے میں، بند کمرے میں، مخصوص چہاردیواری کے اندر یا رات کی مہیب و پُرخطر تاریکی میں صرف اور صرف تقویٰ کا قانون کام کرتا ہے۔ اگر انسان کے قلب و ضمیر پر اس خدائی قانون کی حکمرانی ہوجائے تو انسان راست رو، اعتدال پسند اور ہرمعاملۂ زندگی میں اپنے خالق حقیقی کی مرضی کا تابع بن جاتا ہے، اور افراد اور معاشرہ جو اس قانون کی عظمت کا علَم بردار بن جاتا ہے وہ اللہ کی نظر میں صحیح معنوں میں مکرم و معزز ہوجاتا ہے (الحجرات ۴۹:۱۳)۔ اس قانونِ الٰہی سے متعلق ربانی ہدایات جابجا قرآنِ کریم میں موجود ہیں (ملاحظہ کیجیے: البقرہ ۲:۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۳، اٰل عمرٰن ۳:۱۰۲، المائدہ ۵:۲، ۴، ۷، ۳۵، ۵۷، الانفال ۸:۱، التوبہ ۹:۱۱۹، الاحزاب ۳۳:۷۰، الحدید ۵۷:۲۸)۔ یہ تقویٰ انسان کو اخلاقی قدروں کا پاسباں، محبت و بشر دوستی کا محافظ اور عدل و قسط کا پیامی بنا کر گویا اس فانی زندگی میں بھی متاعِ بے بہا ثابت ہوتا ہے اور آخرت کی لازوال مسرتوں کے حصول میں اس قانونِ الٰہی کے لاثانی توشۂ راہ ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا۔

سورۂ حشر میں خوفِ خدا کے اسی قانون کے اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط (الحشر ۵۹:۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو اس بات کے لیے فکرمند ہونا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

ایک جگہ تقویٰ کی فضیلت بایں طور بیان کی جاتی ہے کہ انسان کا کوئی بھی نیک عمل اللہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے ہم کنار نہیں ہوتا جب تک تقویٰ کے قانون پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نہ کیا جائے۔ بڑی سے بڑی قربانی اور عظیم سے عظیم تر عمل قبولیت سے محروم رہتا ہے، دل کی دنیا پر اگر خوفِ خدا کی حکمرانی نہ ہو۔ فرمایا جاتا ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط (الحج ۲۲:۳۷) (جانوروں) کے گوشت اللہ تک ہرگز نہیں پہنچتے ہیں اور نہ ان کا خون ہی، مگر اس کی بارگاہ میں تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

دنیا کا ہر آدمی آخرت کا مسافر ہے (بخاری)۔ مسافر راستے کو منزل نہیں قرار دیتا بلکہ اس کی نگاہ منزل پر رہتی ہے۔ سفر بھی اچھی طرح گزر جائے اور منزل کی یافت بھی آسان تر ہوجائے، اس کے لیے تقویٰ ہی دراصل توشۂ راہ ہے۔ اور صحیح معنوں میں یہ تقویٰ اس فانی زندگی کی سعادتوں سے بھی ایک شخص کو مالا مال کرتا ہے اور اس زندگی کے بعد کی ابدی زندگی کے لیے بھی نوید مسرت ثابت ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی اس سلسلے میں جامع تعلیم ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ (البقرہ ۲:۱۹۷) اور زادِ راہ ساتھ لے لو اور سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ پس اے ہوش مندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔

اس خوف و خشیت الٰہی کی بنیاد پر ایک فرد اور معاشرے کی زندگی میں جن اخلاقِ فاضلہ کی نشوونما ہوتی ہے، اس کی بنا پر رب العالمین کی جانب سے اس کے معزز ہونے کا اعلان ہوتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (الحجرات ۴۹:۱۳) درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔

● **راست بازی اور عدل و انصاف:** صدق اور عدل، تقویٰ کے نمایاں ترین مظاہر میں سے ہیں۔ قرآنِ مجید میں کہیں سچائی کا طریقہ اختیار کرنے والوں کو متقین سے تعبیر کیا جاتا ہے (البقرہ ۲:۱۷۷)، تو کہیں عدل وانصاف کے طریقے کو تقویٰ سے قریب تر بتایا جاتا ہے (المائدہ ۵:۸)۔ صدق وعدل ذرائع ابلاغ کا حسین زیور ہیں۔ میڈیا اگر ان اوصاف سے عاری ہوجائے اور اس کے بجائے پروپیگنڈا، جھوٹ، فریب، ناانصافی، دھوکا اور تعصب کے دلدل میں پھنس جائے تو اپنی وقعت کھو بیٹھتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان عیوب و نقائص کے ساتھ عصرِ حاضر میں بے پناہ قوت واثر کا حامل میڈیا اپنے ہی ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے اور عوام وخواص کی نگاہوں میں مشکوک ومشتبہ ہی نہیں بلکہ مذموم بن جاتا ہے۔ صحت منداور کامیاب میڈیا کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت مہمیز کا کام کرتی ہے اور ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں کو فکر وعمل کی دعوت دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اللہ رب العزت کا ارشاد جس میں صدق و عدل کی دونوں خصوصیات اصلاحِ اعمال اور عفو تقصیرات کی ضمانت کے طور پر جلوہ گر ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳:۷۰-۷۱) اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کیا کرو۔ اللہ تمھارے اعمال سنوار دے گا اور تمھارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کے مطابق سیدھی سچی اور پختہ بات کے عادی ہونے پر اصلاح اعمال کا جو وعدہ ہے وہ صرف آخرت کی زندگی کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اس عارضی اور غیر مستقل زندگی کے نقطۂ نظر سے بھی ہے۔ گویا دینی اور دنیوی دونوں قسم کے اعمال کی درستی کا وعدہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہے۔ لہٰذا جو شخص قولِ سدید کا عادی ہوجائے، یعنی کبھی جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر کلام کرے، کسی کو فریب نہ دے، اس کے اعمال آخرت میں بھی درست ہوجائیں گے اور دنیا کے کام بھی بن جائیں گے۔ (مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۷، ص ۲۴۲)

● **جواب دھی کا احساس اور فکرِ آخرت:** کوئی فرد، معاشرہ، تنظیم اور حکومت جب ذمہ دار اور جواب دہ ہوتو اس سے حُسنِ عمل اور اچھی کارکردگی کی توقع ہوتی ہے۔ یوں بھی اس کی تعبیر کی جاتی ہے کہ جو شخص یا معاشرہ جتنا ذمہ دار اور جواب دہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کی جانب سے خیر کی توقع ہوتی ہے۔ وہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے اور خدمت انسانیت میں وہ پیش پیش ہوتا ہے۔ موت کے بعد کی زندگی سے متعلق عقیدہ کم و بیش ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ جتنا صاف اور شفاف اور واضح و مبرہن ہو، عملی زندگی میں اس کے مظاہر اسی کے لحاظ سے اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی تعلیمات اس سلسلے میں یہ ہیں کہ یہ دنیا و مافیہا فانی ہے (الکہف ۱۸:۸، الرحمٰن ۵۵:۲۶)۔ یہاں کی صعوبتیں وقتی اور راحتیں زوال پذیر ہیں۔ انسان پوری کائنات میں اشرف و اکرم ہے اور اس کی تخلیق اس لیے ہوئی ہے کہ وہ اس تغیر آشنا اور زوال پذیر زندگی میں آزمایا جائے (الکہف ۱۸:۷، الملک ۶۷:۲)۔ گویا دنیا کی اس زندگی کو امتحان گاہ کی حیثیت حاصل ہے جس کا نتیجہ اس چندروزہ زندگی کے بعد ملے گا، جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ من پسند عیش میں ہوگا اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا (القارعۃ ۱۰۱:۶-۹)۔ نیکی و بدی ذرہ برابر بھی چھپ نہ سکے گی اور ہر ایک اس کے مطابق اجروثواب یا عتاب وعذاب پائے گا (الزلزال ۹۹:۷-۸)۔ جب میڈیا کے ذمہ داروں میں اس زندگی کے بعد کی زندگی کا یقین تازہ اور عقیدہ مستحکم ہوجائے تو وہ اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے حساس ہوں گے، بُرائیوں سے مجتنب ہوں گے اور اچھائیوں کے فروغ کی کوشش کے ذریعے خدمت انسانیت کا حق ادا کریں گے، کیوں کہ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جواب دہی کا احساس کسی کو بھی اعمالِ صالحہ کی انجام دہی میں متحرک و فعال بنائے رکھتا ہے۔ اگر وسائل ترسیل اور ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران اس جہت سے اپنے آپ کو تیار کرلیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی ابدی اور لازوال مسرتوں کے طلب گار بن کر لائحہ عمل طے کریں تو یقینی طور پر خوش گوار تبدیلیاں وقوع پذیر ہوں گی۔

موت کے بعد کی زندگی کا احساس اور خوفِ خدا، یہ بنیادی اوصاف ہیں جن کا حامل ایک فرد ذمہ دارانہ زندگی گزارتا ہے۔ اس دنیا کو وہ امتحان گاہ اور آخرت کی کھیتی سے تعبیر کرتا ہے اور اس کے لیے کوشاں و سرگرمِ عمل رہتا ہے، تاکہ عالم نتیجہ گاہ میں اپنے آپ کو سرخ رُو اور سعادت مند

بنائے۔ اسی طرح خوفِ خدا کی بنیاد پر اس کے اندر ان اخلاقِ حسنہ کو جلا ملتی ہے جن کی بنا پر وہ بہت محتاط ہوجاتا ہے اور ہر شعبۂ عمل میں خدا کی مرضی کا علَم بردار بن کر اپنی مصروفیات و مشغولیات کا رُخ متعین کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسی بیش قیمت سرمایے کی بنا پر خالقِ حقیقی کی طرف سے معزز اور مؤقر ہونے کی بنا پر سند اعزاز بھی عطا کی جاتی ہے۔ یقیناً یہ دونوں قرآنی تعلیمات میڈیا یا ذرائع ابلاغ کو انسانیت کے لیے بامقصد اور مفید مطلب بنانے میں سرگرم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان خصوصیات کو توشۂ راہ بنا کر میڈیا اگر رختِ سفر باندھے اور دنیا کی منڈی میں آئے تو ایک طرف بلاشک وشبہہ عوام وخواص اور علما و جہلا سب کی جانب سے راست رو، ایمان دار، بے باک اور شفافیت سے پُر ہونے کی سند حاصل ہوگی، اور دوسری طرف بے لاگ تبصروں اور خبر رسانی کے یہ ذرائع ان کے ذمہ داروں کو خالقِ حقیقی کی نگاہ میں بھی محترم اور باعزت بنا دیتے ہیں۔

● **قیاس و گمان کے بجاے حقائق:** قیاس وگمان اور شک وشبہے پر مبنی بات بھی بے وزن ہوتی ہے اور بالعموم اس قسم کی باتیں کرنے والے افراد یا وسائل اطلاع وترسیل کو صحت مند فکر کا حامل قرار نہیں دیا جاتا۔ عوام وخواص بھی ایسے ذرائع و وسائل یا ایسے اشخاص و جماعتوں سے بدظن ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں حقائق سے اغماض برتنے کی راہ ہموار کرتی ہیں اور افواہوں کو پروان چڑھاتی ہیں جن کے بسا اوقات سنگین نتائج تصادم اور جنگ و جدال کی شکل میں سامنے آتے ہیں اور امن وآشتی کے ماحول کو مکدر کر دیتے ہیں۔ اس شکل میں میڈیا جس سطح کا ہو، اسی سطح کے مفاسد کو پنپنے کا موقع ملتا ہے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم یہ ہے کہ بعض قیاس وگمان اور ظن وتخمین کا سرا گناہوں سے مل جاتا ہے (الحجرات ۴۹:۶)۔ بایں طور ذرائع ابلاغ میں قیاس وگمان صرف یہی نہیں کہ صداقت کے لحاظ سے کسی چیز یا اطلاع کو مشکوک و مشتبہ بنا دیتے ہیں بلکہ یہ ارتکابِ گناہ ہوتا ہے۔ قیاس وگمان اور شک وشبہے سے بالا ہوکر حقائق کو شُستہ اور شگفتہ انداز میں منظرعام پر لانا دراصل امانت کا تقاضا ہے۔ اس کے برخلاف شکوک وشبہات کے سہارے کوئی بات کہنا بڑی خیانت ہے اور تلخ نتیجے کے طور پر بسا اوقات ندامت و شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ آیت میڈیا کو شفافیت سے ہم کنار کرنے اور بامقصد بنانے کے لیے نسخۂ شافی کے طور پر ملاحظہ کی جائے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآئَ کُمْ فَاسِقٌ م بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًام بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ o (الحجرات ۴۹:۶) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

● **حقائق کو مسخ کرنے اور لغویات کی نفی:** عام طور پر ذرائع ابلاغ کا یہ منفی پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ واقعات کو من وعن بیان کرنے کے بجاے حذف و اضافہ اور قطع و بُرید کے ذریعے خبروں کو مسخ کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کسی کی تعریف اس حد تک کی جاتی ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں اور کبھی کسی کی تحقیر و تذلیل پر ذہن آمادہ ہوتا ہے تو اسے ذلت و پستی کے قعرعمیق میں گرا دیا جاتا ہے۔ حقائق اور واقعات کو دل نشیں پیرایۂ بیان میں بیان کرنا قابلِ ستایش ہے لیکن نمک مرچ لگا کر، تصنع اور تکلف کے لبادے میں ملمع کاری کرنا اور تفریح طبع کا سامان اس طور پر پیش کرنا کہ حقائق و واقعات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، محض نیک نامی، شہرت اور بازار میں اپنی قیمت منوانے کا سطحی ذریعہ تو بن سکتا ہے لیکن میڈیا کے نام پر یہ جذبات کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ قرآنِ مجید نے اس عمل کو 'لہوالحدیث' سے موسوم کیا ہے جس کی تعبیر کلام دل فریب یا کلامِ لغو سے بھی کی جاتی ہے۔ ایسے کلام دلفریب دراصل ضلالت و گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عملِ بد کا انجام بھی اہانت آمیز عذاب کی شکل میں ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ ہدایت میڈیا اور ان کے ذمہ داروں سے متعلق ایک زبردست تنبیہہ ہے جس کے اندر وعظ و نصیحت کا سامان بھی موجود ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ق وَّ یَتَّخِذَھَا ھُزُوًا ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ o (لقمان ۳۱:۶) اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلامِ دل فریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اُڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

مفتی محمد شفیع کے مطابق آیت کریمہ کا شانِ نزول نضر بن حارث کا وہ نامبارک عمل ہے جو

تجارت کی غرض سے فارس کا سفر کیا کرتا تھا اور شاہانِ عجم وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لاتا، اور قومِ عاد و ثمود وغیرہ کے قرآنی قصوں کے بالمقابل رستم، اسفند یار اور دوسرے شاہانِ فارس کے قصے محض اس لیے سناتا کہ مشرکین اور کمزور ایمان والے لوگ قرآنِ مجید سے بدک جائیں، اور شاہراہِ ہدایت کے بجائے ضلالت و گمراہی کو اپنا شیوہ بنالیں۔ (معارف القرآن، ج ۷، ص ۲۰)

اس سلسلے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی وضاحت مفید مطلب ہے: ''لہو ولعب اور تفریح و تمتع کے ساز و سامان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق کھیل، مقابلوں اور مظاہروں سے بڑھی ہوئی دل چسپی اور محویت و انہماک سے ہے۔ دوسری قسم لطف و تفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑکر لوگ فرائض و واجبات اور ذکراللہ سے غافل ہوجاتے ہیں۔ اس میں کہانی قصے اور فحش روایات آتی ہیں۔ یہاں پر اس آیت میں لہو ولعب اور کہانی و قصے دونوں کو یک جا کر دیا گیا ہے اور اس کو 'لہوالحدیث' سے تعبیر فرمایا ہے''۔ (مقدمہ: مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، نذرالحفیظ ندوی)

اگرچہ اس آیت کریمہ کے نزول کا پس منظر ایک خاص واقعہ ہے، تاہم قرآنِ مجید کتابِ ہدایت ہے اور قیامت تک پوری انسانیت کے لیے اپنی اصل افادیت کے ساتھ یہ نوشتۂ ہدایت بصیرت و روشنی کا سامان کرتا رہے گا۔ کسی فرد یا گروہ کے سلسلے میں قرآنِ مجید کی تنقید یا تعریف کا یہ مقصد قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی فرد یا گروہ کو ذلت و پستی کے قعر میں گرا دیا جائے یا کسی کو خراجِ تحسین پیش کر دیا جائے، بلکہ اس کا مقصد درس و عبرت ہوتا ہے۔ آج کے زمانے میں قرآنِ مجید اسی زور و اثر اور اسی شیرینی و سحرانگیزی کے ساتھ انسانی معاشرے سے مخاطب ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل مخاطب تھا۔ زیربحث آیت کریمہ کی معنویت اس امر میں پنہاں ہے کہ ایک فرد ہو یا معاشرہ یا اطلاعات و نشریات کے ذرائع علم و آگہی کے بغیر اگر باتوں کو نشر کرتے اور سطحی مقاصد کے حصول کے لیے حقائق و شواہد کے بالمقابل خانہ ساز اور خود ساختہ افکار و بیانات کی تشہیر کے ذریعے عوام کی تفریحِ طبع کا سامان کرتے ہیں، تو گویا یہ ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس لیے کہ اس طریقۂ عمل سے حق و صداقت کا رُخِ زیبا داغ دار ہوتا ہے بلکہ حقائق پس پردہ چلے جاتے ہیں اور کذب، بطلان، فریب اور جھوٹ معاشرے میں پھیل کر فتنوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

● **ضابطۂ اخلاق اور گرفت کی ضرورت:** راہنمایانِ ملک اور رُوساے قوم اگر ایسے افراد کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں اور عدلیہ بھی اگر ان کے ان افعالِ رذیلہ سے بے اعتنائی برتتی ہے، تو ملک وقوم میں امن و آشتی، راست روی، حق گوئی اور حقائق سے آگہی کے لیے فضا ہموار نہیں کی جاسکتی اور ملک وقوم کو معنوی ترقیوں سے ہم کنار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ایسے افراد یا میڈیا بہرحال پُرامن اور خوش حال زندگی کے لیے چیلنج ہیں اور ان سے سخت طریقے سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ آیت سے متعلق عبداللہ یوسف علی کی راے ہے: ''ان افراد کے ذریعے زندگی کو سنجیدگی سے لیا جانا چاہیے جو ان معاملات و مسائل کا شعور رکھتے ہیں جن سے زندگی متعلق ہے۔ لیکن (معاشرے میں) غیرسنجیدہ اور بے ہودہ ذہنیت کے لوگ بھی ہوتے ہیں جو لغو باتوں اور بے حقیقت قصوں کو صداقت اور حقائق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو بجا طور پر ملامت زدہ ہیں''۔(Abdullah Yousuf Ali: *The Meaning of the Holy Quran,* p 1034,)

ذرائع ابلاغ یا وسائل نشریات کی اہمیت عصرِ حاضر میں مسلّم حقیقت کے طور پر تسلیم کرلی گئی ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ جن افراد، جماعتوں اور حکومتوں کے زیرسایہ پروان چڑھتے ہیں یا ان پر جن لوگوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے دراصل آج کے دور میں باعزت، طاقت ور اور مؤثر وجود کی حیثیت سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ ذرائع جن کی دسترس سے باہر ہیں یا جو کسی وجہ سے ان سے قربت کی شکل پیدا نہیں کرپاتے، دراصل وہ گوشۂ گمنامی میں ہوتے ہیں اور کمزور و پس ماندہ افراد و طبقات کی حیثیت سے دنیا کے پردۂ سیمیں پر دیکھے جاتے ہیں۔

میڈیا دودھاری تلوار کی طرح طاقت رکھتا ہے۔ تلوار کا استعمال شروفساد کا خاتمہ کرنے کے لیے اور امن و آشتی کی پُربہار فضا قائم کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے اور اس کا استعمال قتل و خوں ریزی کے لیے اور فتنہ و فساد کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ غورطلب بات یہ ہے کہ یہ تلوار کس کے ہاتھ میں ہے۔ آیا یہ تلوار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو امن و آشتی کا مفہوم نہیں جانتا، جو انسانی قدروں کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتا اور جو اخلاقی قدروں کی پامالی کو اپنا شیوہ بناتا ہو، یا یہ تلوار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جس کی سرشت میں عدل و انصاف ہو، امن و آشتی کو نعمت غیرمترقبہ سمجھتا ہو، انسانی اقدار کا پاسباں اور نقیب ہو اور اخلاقیات اس کی ترجیحات میں ہوں۔

کامیاب میڈیا دراصل وہی ہے جس کے اہل حل وعقد میں ایک طرف اس کائنات کے حقیقی مالک کا خوف قلب وضمیر پر حکمرانی کرتا ہو اور دوسری طرف جو موت کے بعد کی زندگی میں اپنے آقا کے سامنے اعمال کی جواب دہی کا احساس رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ راست گوئی، عدل وانصاف اور تحقیق وتمحیص کی بنیاد پر کہی گئی باتیں ہی دراصل علمی دیانت داری کا مظہر ہیں اور یہی چیزیں علاقہ، قوم، ملک بلکہ پوری دنیا میں انسانی قدروں کی افزایش کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں خدمتِ قوم بلکہ خدمتِ انسانیت کا حق ادا کرنے کے لیے قوتِ محرکہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

موجودہ ذرائع ابلاغ خواہ طباعتی ہوں یا برقیاتی، علاقائی سطح پر ہوں یا ملکی سطح پر یا پھر بین الاقوامی سطح پر، وہ افراد ہوں جن کا شیوہ ہی فسق وفجور اور بے حیائی وبدکرداری ہو یا وہ معاشرہ ہو جو شرانگیز اور فتنہ پروروں کو نہ صرف یہ کہ انگیز کرتا ہو بلکہ محویت واستغراق کے ساتھ ان کے قافلے میں شریک ہوجاتا ہو، ایسے افراد واشخاص یا ایسی جماعتیں اور تنظیمیں یا ذرائع ابلاغ اور اطلاعات کے وسائل نہ صرف یہ کہ قابلِ مذمت ہیں بلکہ قابلِ مواخذہ ہیں، اور ملک وقوم کی امن وآشتی کے لیے اور عوام وخواص کی مرفّہ الحالی کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اور عدلیہ کی سطح پر ان پر سخت کارروائی ہو۔ قرآنِ مجید اس سلسلے میں راہنما نقوش یہ دیتا ہے کہ اس فانی زندگی میں اس قسم کے جرائم کی سنگینی کے پیش نظر انھیں کیفرِ کردار تک پہنچایا جانا چاہیے، اگرچہ موت کے بعد کی زندگی میں رب السموات والارض کی طرف سے ان کے لیے دردناک عذاب کی نوید بھی ہے۔

میڈیا جہاں ملک وقوم اور افراد ومعاشرے کی زندگی کے دوسرے گوشوں میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے، ان میں سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ ایک مخصوص مذہب کے خلاف انھیں استعمال کیا جارہا ہے۔ اسلام جو عالم گیر بھائی چارگی کا تصور دیتا ہے، تمام معبودانِ باطل سے متنفر کرا کے خدائے واحد کی عبودیت کا تاج سر پر رکھتا ہے، انسان کو اشرف واکرم کا اعزاز بخشتا ہے، تسخیر کائنات کا پروانہ سونپتا ہے اور ایک انسان کے قتل ناحق کو ساری انسانیت کے قتل ناحق کے مترادف قرار دیتا ہے۔ ایسے آفاقی اور انسانیت نواز مذہب کے رُخِ زیبا کو انتہاپسندی، خوں خواری اور دہشت گردی جیسے الفاظ سے داغ دار کیا جارہا ہے اور لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ (الصف ۶۱:۸) کے اعلان کے مطابق پوری دنیا اللہ رب العزت کی اس بیش قیمت نعمت اور انسانیت نوازی

کے سب سے بڑے نقیب مذہب کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے سعی میں مصروف ہے۔

تقویٰ یا خوفِ خدا ہی دراصل وہ ضابطۂ حکمراں اور زبردست قوتِ محرکہ ہے جو افراد و معاشرے کو اور میڈیا کے علَم برداروں کو بے لگام ہونے سے بچا سکتا ہے۔ قلب و ضمیر اگر خوفِ خدا کے نشیمن بن جائیں تو ہر جگہ اور ہر وقت انسان اس خدائی قانون کے تابع ہوکر منکرات و سیّات سے گریزاں ہوتا ہے اور خیر و حسنات کا پیامی بن جاتا ہے۔ صدق اور عدل تقویٰ کے عظیم ترین مظاہر ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید نے 'قولِ سدید' کی جامع اصطلاح استعمال کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دروغ گوئی سے اجتناب کیا جائے۔ سوچ سمجھ کر گفتگو کی جائے، فریب دہی سے باز رہا جائے اور دل خراش کلمات سے گریزاں ہوا جائے۔ اسی طرح قیاس و گمان اور شک و شبہے پر مبنی بات ہلاکت انگیزی کا سبب ہے۔ اس کی بنیاد پر میڈیا ماحول اور معاشرے کو مکدر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا اور اپنا اثر و رُسوخ کھو دیتا ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ درخشاں تعلیم دعوت فکر و عمل دیتی ہے کہ گمان و قیاس کی بنیاد پر کہی ہوئی بات صرف یہی نہیں کہ استناد کی میزان پر پوری نہیں اُترتی، بلکہ یہ گناہ ہے اور بسا اوقات انسان کو اس طریقۂ عمل سے شرمندہ و نادم ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح لگائی بجھائی کرنا، نمک مرچ لگا کر باتیں پیش کرنا، تصنع اور تکلف کا لبادہ پہننا اور اُمور و مسائل پر ملمع کاری کرنا، یہ ساری چیزیں صحت مند میڈیا کے خلافِ شان ہیں۔ قرآن اسے 'لہوالحدیث' سے موسوم کرتا ہے، جس کی تعبیر کلام دل فریب یا لغو اور مہمل بات سے بھی کی جاسکتی ہے۔ اس قسم کی باتیں ایک صحت مند معاشرے کو جلا نہیں دیتیں بلکہ ہدایت کی شاہراہ سے پھیر کر گمراہی کے بے شمار دروازے اور راہیں کھول دیتی ہیں۔ اسی لیے قرآنِ مجید اس قسم کی باتوں کو معاشرے میں فروغ دینے والوں کے لیے اہانت آمیز عذاب کا اعلامیہ جاری کرتا ہے۔

اس امر میں صداقت ہے کہ اگر میڈیا اپنی ذمہ داری کو بحسن خوبی سمجھے، اپنے اعلیٰ و ارفع مقصد کو مستحضر رکھے، خدمت انسانیت کو اپنا شعار بنائے اور ملک و قوم کے ماحول کو پُرامن بنانے کے موقف پر مصر ہو، تو یقیناً اس کے اہل حل وعقد قابلِ ستایش اور لائقِ مبارک باد ہیں۔ لیکن میڈیا کے یہ مثبت پہلو اسی وقت بامعنی اور بامقصد ہوسکتے ہیں جب کہ خوفِ خدا کے قانون کو جگہ دی جائے، موت کے بعد کی زندگی اور اس میں محاسبۂ عمل کی یاد کو تازہ رکھا جائے، عدل و صدق کو

شیوۂ حیات بنالیا جائے، قیاس وگمان اور شک وشبہے سے اجتناب کرتے ہوئے استناد کومحبوب رکھا جائے، اور حقائق ومسائل کومن وعن دل نشیں پیرایۂ بیان میں واشگاف کردیا جائے۔

★مقالہ نگار علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، بھارت سے وابستہ ہیں۔